غالب اور منشی محمدی خادم بردوانی

مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی پروفیسر حدیث و تفسیر مدرسہ عالیہ کلکتہ

مغربی بنگال میں بردوآن تیموری سلطنت کے زمانہ میں علم وادب کا ایک قابل ذکر مرکز رہ چکا ہے۔ عہد جہانگیری کے حضرت حمید بنگالی (   ) جو علوم شریعت کے زبردست فاضل تھے، اور بالآخر مجدد الف ثانی کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے عیار خالص بن کر چمکے، اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے۔ بہرام سقا یہیں پیوند خاک ہوئے جن کے شاعرانہ جوہر کی نمود دیوان دستیاب نسخوں سے ہوتی ہے۔ بوہار کے اولوالعزم زمیندار صدر الدین موسوی بوہاری (م ۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء) کا مشہور مدرسہ جلالیہ اٹھارہویں صدی کا عظیم دار العلوم تھا جس میں علامہ عبد العلی بحر العلوم فرنگی محلی زینت آرائے مسند صدارت تھے۔ اور جہاں بیک وقت آٹھ سو طلباء کے قیام و طعام اور دوسرے تمام ضروریات کی کفالت تنہا بانی مدرسہ کی جانب سے ہوتی تھی۔ مقامی اور غیر مقامی علماء کی ایک منتخب ٹولی صرف نادر و کمیاب مخطوطات کی تلاش، نقل نویسی اور مقابلہ کی خدمت انجام دینے کے لیے ہمہ وقت اس دار العلوم سے وابستہ تھی۔

انیسویں صدی کے علماء ادباء اور شعراء جو اس خطہ سے تعلق رکھتے تھے ان میں منشی محمدی بردوانی کی یگانہ ہستی بھی ہے، جو فارسی زبان کے کہنہ مشق شاعر اور بلند پایہ ادیب و نثر نگار تھے۔ تخلص خادم تھا اور غالباً پوری زندگی اتالیق و معلم کی حیثیت سے فارسی زبان وادب کی خدمت میں بسر کی۔ خوش قسمتی سے ان کا مجموعہ کلام یا دیوان ان کی زندگی ہی میں طبع ہوا۔ ان کے معاصرانے

نجم الحق نے اسے مرتب کیا اور اس کا مقدمہ لکھا۔ خادم بردوانی کی زندگی کے بارے میں مختصر حالات
کے لیے ہم زیادہ تر اسی مقدمہ کے مرہون ہیں جو مندرجہ ذیل معلومات کا بیشتر حصہ فراہم کرتا ہے۔

خادم بردوانی، مہاراجہ مہتاب چند بہادر، والی بردوان کے اتالیق و استاذ تھے۔ (مہتاب چند کو سابق مہاراجہ تیج چندرا نے ۱۸۲۶ء میں منہ بولا بیٹا بنالیا تھا یہ دراصل مہارانی کمل کماری کے بھتیجے تھے، باپ کا نام پران چند بابو تھا۔ بہرحال مہاراجہ تیج چندرا کے فوت ہونے کے بعد (۱۸۳۲ء) مسند نشین ہوتے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی خلعت دیا۔ ۱۸۵۵ء میں سنتھال تحریک کے مقابلہ میں مہتاب چند نے کمپنی کی بھرپور معاونت کی پھر ۱۸۵۷ء کے موقع پر کمپنی کی وفاداری میں پیش پیش رہے۔ اور ۱۸۸۱ء میں فوت ہوتے۔ یہ تاریخ بنگال ڈسٹرکٹ گزیٹر کی رو سے ہے[1]۔ ورنہ بی۔کے۔ موکرجی نے اپنے مقالہ ANNALS OF BURDWAN میں لکھا ہے کہ مہتاب چند کی عمر بوقت مسند نشینی بارہ سال کی تھی، لارڈ بینٹنک LORD BENTINCK نے مہتاب چند کے خطاب و منصب کی توثیق اپنے فرمان مورخہ ۳۰ اگست ۱۸۳۲ء کے ذریعہ کی تھی ۱۸۴۲ء سے مہتاب چند خود تمام املاک کی راست نگرانی کرنے لگے، ورنہ اس سے قبل تک مہارانی کمل کماری اور اس کے بھائی پران چند بابو کی مشترکہ سرپرستی کے تحت نظم و انصرام ہوتا رہا تھا۔ مہتاب چند، ۴۸ سال گدی پر براجمان رہ کر ۱۸۷۹ء میں فوت ہوتے[2]۔ انھوں نے بردوان میں ایک فری انگلش اسکول جاری کیا، ایک دواخانہ غرباء کے علاج معالجہ کے لیے قائم کیا۔ اور رامائن، مہابھارت وغیرہ سنسکرت تراجم کی اشاعت اور ان کے نسخوں کی مفت تقسیم کا اہتمام الگ کیا۔) بظاہر مہاراجہ نے اپنے اتالیق کے حق استاذی کی نگہداشت مدۃ العمر باقی رکھی۔ مہاراجہ کا اسکول جو بردوان میں تھا اس میں فارسی زبان وادب کے استاذ کی حیثیت سے خادم مصروف درس وتدریس رہے۔ خوشنویسی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے

---

۱ دیکھیے J.C.K. PETERSON BENGAL DISTRICT-GAZETTERS
BURDWAN: P.P 38-39, CALCUTTA, 1910

۲ ملاحظہ B.K. MUKERJI'S ANNALS OF BURDWAN (CALCUTTA
REVIEW: VOL. 259, P.P. 127-129) CALCUTTA-1910

اور فرصت کے اوقات میں خط نستعلیق کی مشق سے جی بہلاتے تھے۔ بلکہ فکرِ شعر و شاعری پر خوشنویسی کی مشق کو ترجیح دیتے تھے۔ غالباً یہ اواخرِ عمر کی بات ہے جبکہ تجربہ و کہن سالگی کے نتیجہ میں رسمی مروجہ شاعری یا نظم نگاری کے عیوب ان پر کھل چکے تھے۔ ویسے دیوان کی ضخامت اور اشعار کلام پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کو ایک عرصہ تک شعر گوئی میں انہماک رہ چکا ہے۔

دیوان شاہد ہے کہ فارسی زبان جیسے خادم کی گھٹی میں پڑی تھی ہندوستان کے فارسی گو شعراء بالعموم اپنا جو مقام رکھتے ہیں خادم بردوانی اس سے کمتر کسی بات میں نہیں ہیں۔ دیوان کا بڑا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے، قصائد، قطعات اور مثنویاں بھی ملتی ہیں۔ زبان سہل، سلیس اور پاکیزہ ہے۔ تعقید اور صنعتی تکلفات سے پاک صاف؛ خیالات عام روش سے اگرچہ الگ نہیں تاہم کہیں کہیں بلند پروازی بھی ملتی ہے۔ طرزِ ادا سنجیدہ اور دلکش ہے۔ غرض پورا دیوان زبان و بیان کے لحاظ سے شاعر کی کہنہ مشقی اور حسن مذاق پر شاہد عدل ہے۔ گاہ بگاہ شاعرانہ 'انانیت' زمزمہ پردازی سے باز نہیں آتی، لیکن اس میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا ایسے موقعوں پر وہ اپنے مرز بوم بردوان کو نہیں بھولتے اور اس سے اپنی فطری محبت کا اظہار بے ساختہ کرتے ہیں۔ چند اشعار اس سلسلہ کے درج ذیل ہیں :۔

بردوان و من و ایں طرزِ فصاحت خادم ورنہ از خاکِ صفاہان نہ از شیرازم (دیوان ص ۱۵۱)

ایک جگہ مختلف انداز بیان میں کہا ہے :۔

چناں از نظمِ خادم بردوان مشہور شد کانیک نمی آرد کسے برلب دگر ذکرِ صفاہاں را (دیوان ص ۱۴۴)

یہی انداز کچھ اور بدل جاتا ہے، ملاحظہ ہو :۔

خادم امروز از کلام تو بردواں مشتہر چو شیراز است (ء ص ۱۱۱)

پھر اسی مضمون کو کچھ اور دلکش انداز میں ادا کرتے ہیں :۔

کسے ز خادم واز بردواں اگر پرسد بگوئے صاف کہ آں اہل ایں گلستانست (ء ص ۲۹)

بہرحال ہمارا شاعر بردوان سے دست کش ہونا تصور میں نہیں لاتا جبکہ اس کا عظیم معاصر غالب

اسی مضمون کو جب باندھتے ہیں تو اپنے موارد فلسفہ کو نظر انداز ہی نہیں کرتے بلکہ جوشِ انانیت میں ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے بظاہر وطن بیزاری ٹپکتی ہے، فرماتے ہیں :-

غالب ز ہند نیست نوائے کہ می کشم گوئی ز اصفہان و ہرات و قمیم ما (کلیاتِ غالب ص۱۵)

یا پھر اس طرح زمزمہ سنج ہوتے ہیں :-

غالب سخن از ہند برون بر کہ کس اینجا سنگ از گہر و شعبدہ ز اعجاز نداندست (کلیات ص۶۸)

اور کبھی یوں نغمہ سرائی کرتے ہیں :-

بود غالب عندلیبے از گلستان عجم من ز غفلت طوطیِ ہندوستاں نامیدمش (ؔ ص۱۵۶)

اور بالآخر یہاں تک فرما دیا کہ :-

غالب از آب و ہوائے ہند بسمل گشتہ نطق خیز تا خود را بہ اصفاہان و شیراز افگنم (ؔ ص۱۹۳)

شدتِ انانیت کا یہ عالم بادی النظر میں فنکار کی سقیم ذہنیت کا آئینہ دار ہے، جس سے بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بہر حال اس طوطیِ ہندوستان کا کلیات عجب نہیں کہ خادم کی نظروں سے گزرا ہوگا۔ غالب کا کلیات ۱۸۴۵ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے اور ۱۸۶۳ء میں نول کشور کے مطبع سے چھپ کر عام ہوا۔ ان میں سے کوئی ایک ایڈیشن مغربی بنگال کے اس طوطیِ شکر مقال کے کام و دہن کے لیے ذوق بخش ہوا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کی زمین میں ہمارے بردوانی شاعر نے کبھی کبھی طبع آزمائی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے غالب کی غزل جو ان اشعار پر ختم ہوتی ہے :-

بعد ازیں کہ رحمتِ حق بر روانش باد ما کردہ ایم تربیتِ فن دریں چہ بحث (کلیات ص۹۲)

از جستہ جستہ غالب دمن دستہ دستہ ام عرفی کسے است لیک نہ چون من دریں چہ بحث (ؔ ص۹۳)

اب غور فرمائیے "طوطیِ بنگالہ" نے کس شان سے ہم صفیری کی ہے :-

گر ساختم بہ بتکدہ مسکن دریں چہ بحث بتخانہ شد چو جائے برہمن دریں چہ بحث

خواہد ز دستم بگیر دلم باز رستہ نعت از آن نسست لے بت پر فن دریں چہ بحث (دیوانِ ناظم ص۔۔)

ہاں دم مزن ز آتش عشق ار دلت بسوخت — آتش دراو فتاد بخرمن دریں چہ بحث
در فصل گل کہ جوش جنون است ناصحا — چاکی اگر زدیم بدامن دریں چہ بحث
بر شعر من کہ دوست پسندی ہمی کند — گر اعتراض رفت ز دشمن دریں چہ بحث
رد و قبول خلق چو یکسو نہادہ ایم — گر نشنوم ز شیخ و برہمن دریں چہ بحث
خادم چہ ہرزہ گوئی غالب کہ گفتہ است — (عرفی کسے است لیک چو من دریں چہ بحث) (دیوان خادم ص ۱۰۹)

عرفی کے ساتھ ایسی عقیدت کشی جس کے نتیجہ میں غالب کو "ہرزہ گو" کہنے میں بھی باک نہیں کیا گیا حق پسندی کے علاوہ جوان خون کی سرخی کا پتہ دیتی ہے۔ ورنہ خادم کو غالب سے کچھ کم عقیدت نہیں تھی۔
ایک دوسری غزل ملاحظہ فرمائیے جو غالب ہی کی زمین میں ہے، غالب کا مطلع حسب ذیل ہے :-

جنون ستم بفصل نو بہارم می تواں کشتن — صراحی بر کف و گل در کنارم می تواں کشتن (کلیات ص ۱۹۴-۱۹۵)

خادم کی غزل یہ ہے :-

دلم پر داغ شد در لالہ زارم می تواں کشتن — ز گلشن بردن و بر کوہسارم می تواں کشتن
بجرم اینکہ از من راز عشقش آشکارا شد — سر بازار یا بر رہ گذارم می تواں کشتن
بیاد آں گل رِوش کہ ہر دم گریہ ہا دارم — بروز بارش ابر بہارم می تواں کشتن
بمشہد بے تکلف در لباس خاکسارانم — کنون از تیغ بر روئے غبارم می تواں کشتن
بمن کامشب نمودی وعدہ از وصل دانستم — کہ آخر تا سحر در انتظارم می تواں کشتن
بمو قدری کند ہنگامۂ پروانہ بیدارم — حریفاں بعد ازیں شمع مزارم می تواں کشتن
مکش دست از جفا چوں منے چنداں کہ میخواہی — اگر زاں شکوہ بر لب گذارم می تواں کشتن
زبان وصل آخر شد و قدر آں ندانستم — بجرم غفلت آں روزگارم می تواں کشتن۔

بگرید تا کسے بر حال من چوں غالب اے خادم
(جدا از خانماں و ساز و یارم می تواں کشتن) (دیوان ص ۱۸۹-۱۹۰)

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، خادم مرزا غالب کے معتقدین میں تھے۔ مرزا کی زندگی کا آفتاب

داصل چکا تھا، جب خادم کے لیے ایک لمبے سفر کی تقریب پیدا ہوئی۔ دہلی کی سیر کا موقع ہاتھ آیا اور خوش قسمتی سے غالب یگانہ کی دید و شنید سے شادکام ہو کر لوٹے۔ تقریب سفر کی بابت دیوان کے مرتب نجم الحق کا بیان ہے کہ مہاراجہ پٹیالہ کی کتخدائی کے موقع پر ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں مہاراجہ بردوان نے اپنے خدم حشم کے ساتھ اس دعوت میں شرکت کی۔ اور اپنے استاد منشی محمدی خادم کو بھی ہمراہ چلنے کے لیے آمادہ کیا۔ بلکہ خود نجم الحق بھی اس سفر میں ساتھ گئے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"در ۱۲۸۱ ہجری یک بار مہاراجہ مہتاب چند بہادر والی بردوان کہ شاگرد شان بودند، مدعوت شادی مہاراجہ پٹیالہ مع سواران وغیرہ باسامان شائستہ فرستادند، بندہ ہم ہمرکاب بود۔ دران جا اتفاق ماندن بست و پنج روز شدہ بود (مقدمہ دیوان خادم: ص ۴) دیوان میں ایک قصیدہ ملتا ہے جس کی سرخی ہے: قصیدۂ تہنیت شادی راجہ پٹیالہ (ص ۱۴۴) لیکن اس کا مطلع ہی اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے کہ سرخی قایم کرنے میں مرتب دیوان سے غلطی ہو گئی ہے، مطلع یہ ہے:۔

زآسمان و زمیں شور تہنیت برخاست — کہ جشن صدر نشینی راجہ والا ست

قصیدہ میں کل ۳۳ بیت ہیں لیکن کسی ایک بیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قصیدہ کا تعلق جشن کتخدائی سے ہے مطلع خود پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ موقع مسند نشینی کا تھا نہ کہ جشن شادی۔ مہاراجہ پٹیالہ مہندر سنگھ بہادر کی تاریخ مسند نشینی بہ قول خلیفہ سید محمد حسن خاں، وزیر اعظم ریاست پٹیالہ ۲۹ جنوری ۱۸۶۲ء ہے۔ دس برس چار مہینے بارہ دن کی عمر میں تخت ریاست پر بیٹھے۔ یہ رسم بڑی شان و شوکت سے منائی گئی۔ بنارس، بردوان وغیرہ ریاستوں کے اہل کار... اور روسا شریک دربار ہوئے[1] بہر حال اس موقع پر منشی محمدی خادم کا شریک ہونا ثابت نہیں ہے۔ قصیدہ میں ذیل کے اشعار ہماری تائید میں ہیں:۔

بہ بزمت ار نرسیدم بقائے عمر تو باد — برائے تہنیت تو ہمی قصیدۂ ماست

چو نامۂ تو در آمد بہ پیش آقا یم — نمود امر کہ ہاں پاسخش بکن آراست

پس از فراغت آں یک بیک ز جوش سرور — پس ایں نواے مدیح تو از دلم برخاست

کنون بمجلس تو می کنم رواں بر گیر — کہ ایں عروس بصد زینت است بے کم و کاست

[1] ملاحظہ ہو: سید محمد حسن، تاریخ پٹیالہ ص ۵۲۸-۵۲۹ مطبوعہ امرتسر سفیر ہند پریس ۱۸۷۷ء

صاف معلوم ہوا کہ جشن مسند نشینی جو اس قصیدہ کا صحیح عنوان ہے، اس میں خادم شریک دربار نہیں تھے۔ البتہ انھوں نے بطور خود اپنا مدحیہ قصیدہ ضرور بھیجا تھا۔ جب مرتب یا مطبع کی غلطی سے (تہنیت شادی راجہ پٹیالہ) کے زیر عنوان درج ہوگیا ہے۔ تھوڑے عرصہ بعد مہاراجہ مہندر سنگھ کی شادی سرہند میں ۵ مارچ ۱۸۶۵ء میں بڑے دھوم دھام[1] سے ہوئی۔ جس میں خادم اپنے لڑکے نجم الحق کے ساتھ شریک ہوئے۔ اور یقیناً اس موقع پر خادم نے الگ قصیدہ پیش کیا ہوگا۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ قصیدہ دیوان کے مطبوعہ نسخہ سے خارج رہ گیا ہے۔ اور اب اس کا سراغ نہیں ملتا۔

خادم کے مذکورۂ بالا قصیدہ کی شہادت ہے کہ انھوں نے سابق مہاراجہ نریندر سنگھ آف پٹیالہ کی مدح میں بھی کم از کم ایک قصیدہ لکھا تھا جس پر مہاراجہ کی طرف سے تین ہزار کی گراں قدر رقم ملی تھی۔ مہاراجہ نریندر سنگھ کی قدردانی و کشادہ دستی کا ثبوت یہ ہے کہ اتنی ہی رقم ان کی طرف سے سیّد کو بھی ایک قصیدہ کے صلہ میں ملی تھی جو لندن سے بھیجا گیا تھا۔ غالباً سیّد سے مراد سر[2] سیّد احمد خاں کے علاوہ کوئی بزرگ ہیں جن کا تعین سر دست نہیں ہو سکا۔ بہر حال ملاحظہ فرمائیے مندرجہ ذیل ابیات:-

بخشش پدر تو چہ کنم اظہار ۔۔۔ کہ سہ ہزار درم بدل او بوجہ صلاست
ہماں قصیدہ کہ سیّد نوشت از لندن ۔۔۔ ہمیں صلاش فرستاد یارب ایں چہ صلاست

مطبوعہ نسخہ اس قصیدہ سے بھی خالی ہے۔

پٹیالہ میں خادم کا قیام ۲۵ دن رہا۔ نجم الحق رقمطراز ہیں کہ اس کے بعد مہاراجہ بردوان سے خادم نے مراجعت وطن کی اجازت لی اور واپسی میں علی گڑھ (کول) کی آب و ہوا جو پسند آئی تو یہاں بھی ہفتہ بھر قیام کیا پھر دہلی کا رُخ کیا اور مہینہ بھر دہلی میں مقیم رہے اس عرصہ میں مرزا غالب سے ملاقاتوں کا سلسلہ رہا۔ ایک موقع پر مرزا کی فرمائش سے اپنی تازہ غزل سنائی اس کے ایک شعر پر مرزا نے خوش ہو کر بہت داد دی۔ دیباچہ میں صرف منتخب بیت کا اندراج ہے یہاں پوری غزل نقل کی جاتی ہے:-

کس با آرام نہ از گردش ایام نشست ۔۔۔ ہر کس از پنجۂ فلکش بدل چاک نشست

---

[1] ایضاً، تاریخ پٹیالہ ص ۴۹۸ [2] سر سید احمد مرحوم کے سفر لندن کی تاریخ اپریل ۱۸۶۹ء ہے دیکھئے حیات جاوید ص ۱۵۰

بہر تعظیم خیالش کہ چو آمد ز ادب — اشکم از دیدہ بروں آمد و برخاک نشست
سرکشی آورد آخر ز بلندی در پست — تیر بر باد ببالا شد و برخاک نشست
بعد ازیں باک ندارم ز رقیب بدخو — یار در خانۂ من آمد و بیباک نشست
خادم اینک دگر از عذر نخواہی برخاست
زیر شمشیر تو اے قاتل سفاک نشست (دیوان ص۲۰)

وہ شعر جس کو سن کر مرزا بھی اچھل پڑے تھے، ظاہر ہے کہ دوسرا شعر ہو سکتا ہے۔ اہل نظر کو شاید اختلاف نہ ہوگا کہ اس شعر پر داد سخن دینے میں غالب کا خلوص و جذبۂ تحسین واقعی کارفرما ہوگا۔ جس کا مقابلہ "دفتر بے مثال" کی تعریف و توصیف سے نہیں کیا جا سکتا۔ مرزا نے خادم کی بیاض لے کر کہیں کہیں سے پڑھنے کی زحمت بھی اٹھائی تھی۔ خود نجم الحق کے الفاظ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

".... از آنجا رخصت شدہ در علی گڑھ کہ معروف بکویل است یک ہفتہ کہ آب و ہوائے آنجا خوش یافتند استقامت ورزیدند۔ بعد ازاں علی التواتر دہلی رشیدہ تا یک ماہ مقام کردند۔ در آنجا از میرزا نوشاہ نواب اسد اللہ خاں غالب بسیار اتفاق مجالست می افتاد۔ میرزائے موصوف از دور دیدہ بر می خواستند و می فرمودند ع:-

بیا بیا کہ براہ تو چشم دادارم

و ہنگام رخصت فرمودند کہ محبت صاحب در دلم جا کردہ است۔ و بیاض اشعار والدم بدست خود گرفتہ می خواندند روزے در اثنائے کلمہ کلام گفتند: دی شب چیزے کہ وارد طبع شدہ باشد بفرمائید۔ گفتند کہ از مہاجرت فرزنداں و عزیزاں و وطن، دل را اضطراری ماہی باشد، چہ گویم! معہذا امشب غزلے گفتہ ام۔ خواندند چوں نوبت ایں شعر افتاد بیت:-

بہر تعظیم خیالش کہ چو آمد ز ادب — اشکم از دیدہ بروں آمد و برخاک نشست

از جا برجستند و بارک اللہ فرمودند" (دیباچہ: ص۵)

خادم کی ایک اور غزل قیام دہلی کی یادگار معلوم ہوتی ہے۔ اس کے چند منتخب اشعار

یہاں درج کیے جاتے ہیں:-

تا جان بتن ماست بباشد سخن ما … از بہر ہمیں است زبان در دہن ما
ہر غنچہ کہ بشگفت پدید از رخ او رنگ … ہمرنگ خزاں است بہار چمن ما
اے کاش کہ در ساغر زریں بگلستاں … مے در دہد آں ساقی سیمیں ذقن ما
امروز ز غربت کہ فتادیم بدہلی … خادم کہ رساند خبرے از وطن ما

(دیوان: [illegible])

دہلی سے واپسی پر خادم نے مرزا کو کم از کم ایک خط ضرور لکھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک تازہ غزل بھیجی تھی۔ پتہ نہیں مرزا نے کیا جواب دیا۔ اور دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ قایم رہ سکا تھا یا نہیں! غالباً خود مرزا کے اُردو اور فارسی خطوط کے مجموعے جواب تک منظر عام پر آچکے ہیں، خادم بردوانی کے نام سے خالی ہیں۔ وہ غزل جو بردوان پہنچ کر مرزا کو بھیجی گئی بہر حال دونوں کے تعلقات کی ایک کڑی ہے لہٰذا ذیل میں نقل کی جاتی ہے:-

ہوائے آں حریم جنت آسا می کشد ما را … ز باد صبح میخواہیم افزوں تیزی پا را
دل من از فروغ عشق غیرت خورشید می گردد … بیاد آرم چو روئے دلبراں ماہ سیما را
اگر آزادگی خواہی تو از ہم صحبتاں گم شو … کجا در دام صیاداں کسے دیداست عنقا را
دراز آں وہاں واقف نخواہی شد دلا ہرگز … کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را
خیال او بخواب اندر نمی آید بآغوشم … بہر شب می کشایم من عبث دست تمنا را
نسیم صبح امروز از سر کویش ہمی آید … کہ می یابم ہما نا بوئے زلف عنبر سا را
فضائے دہلی و گلگشت باغ و سیر بازارش
چو در دل یاد آید خادم از جامی برد ما را (دیوان: صفحہ۵ نیز مقدمہ[۱])

دونوں کے تعلقات کی آخری کڑی وہ تاریخی قطعہ ہے جو خادم نے مرزا کی وفات پر لکھا ہے:-

یکتائے دہر غالب جادو بیان ما … گو بے سخن بہ ملک سخن بود بادشاہ

---

[۱] یہ مصرع حافظ شیرازی کا ہے۔

روز دوشنبہ دوم ذیقعدہ از جہاں در باغ خلد رفت بر و رحمت الٰہ
خادم ز سالِ رحلت از فکر چوں نمود آمد ندا ز غیب کہ غالب بمرد آہ

(دیوان: ۱۳۲۲ھ [illegible])

اگرچہ مادۂ تاریخ ایسا ہے جس میں بقول مولانا حالی دس بارہ آدمیوں کو توارد ہوا لیکن مہینہ اور تاریخ کے ساتھ روز دوشنبہ کی صراحت میری نظر سے میر مہدی مجروح کے مراسلہ کے علاوہ اسی قطعہ میں گذری ہے۔ یکتائے دھر اور رجاد و بیان وغیرہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا پر نقد و جرح کرنے والوں کے برعکس خادم بر دوانی مخلص عقیدت مند اور سرگرم حامیوں میں سے ایک تھے۔ افسوس یہ ہے کہ غالب اور خادم کے تعلقات پر مزید روشنی ڈالنے سے ہم اس وقت قاصر ہیں۔

ذیل میں بسلسلہ خادم چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:۔

(۱) خادم کی تعلیم اور مبلغ علم کی بابت ہمیں کوئی تفصیل نہیں ملی۔ بظاہر مقامی علماء کے زیر سایہ انھوں نے تعلیم و تربیت کے مراحل طے کئے ہوں گے۔ علوم دینیہ اور عربی زبان و ادب سے براہِ راست واقفیت کا اندازہ نہیں ملتا۔ پورے دیوان کا جائزہ لیجئے تو کہیں ان کی زبان پر عربی دانی کا اثر نمایاں نہیں ملے گا۔ البتہ ہمیں ان کے ایک استاذ کا علم ایک تاریخی قطعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ سرعنوان یہ عبارت ملتی ہے "تاریخ وفات مولانا مرشدنا مولوی زین العابدین مرحوم حیدرآبادی"۔ بہرحال یہ کہنا دشوار ہے کہ ان سے کسب فیض خادم نے بردوان ہی میں کیا یا کہیں باہر جاکر۔ پھر ان سے استفادہ کی نوعیت غالباً تصوف و روحانیت کے کسی سلسلہ تک محدود رہی ہے۔ قطعہ میں دس ابیات ہیں یہاں ان کا انتخاب نقل ہے تاکہ ان کی شخصیت کے متعلق قارئین کو کسی قدر اندازہ ہو سکے:۔

دردا و حسرتا کہ امام جہاں برفت حامی دیں و مہدی گم گشتگاں برفت
مقبول بارگاہ خدا، زین العابدین واحسرتا چو باد ازیں خاکداں برفت
از بہر طوف کعبہ ہمیں گشت کام سنج کامد اجل براہ ہم آنجا زجاں برفت
از بست و پنج شہر ربیع نخست داں کاں فخر روزگار دوراں از جہاں برفت
در شہر بمبئی است مزار مقدسش صد رحمت الٰہ بر آں آستاں برفت

تاریخ سال رحلت او گفت خادم

آں مہدی زمن زجہان جہاں برفت (دیوان، ص ۲۲۴-۲۲۵)

اس کے بعد ایک چھوٹی سی مثنوی میں ان کے حالات کو نظم کیا ہے اور آخری ابیات میں دو تاریخی مادے بھی ۱۲۷۸ھ نکالے ہیں چند ابیات یہ ہیں:-

حامی دیں بود آں مرتاض ذات او بود در جہاں فیاض

بسکہ علم حدیث و قرآں داشت پاس شرع رسول از جاں داشت

راہ توحید می نمود عیاں دور می کرد شرک را ز میاں

گمرہاں را براہ دین آورد ہم ز شک در رو یقین آورد

عارف و کامل و مدقق بود عالم و کامل و محقق بود (دیوان ص ۲۲۵-۲۲۶)

(۲) خادم کی ولادت اور وفات کی تاریخیں تادم تحریر معلوم نہیں ہو سکتی ہیں تاریخ ولادت کے سلسلہ میں تخمینہ لگانے کے علاوہ چارۂ کار نہیں۔ یہ معلوم ہے کہ خادم بردوانی مہاراجہ مہتاپ چند کے اتالیق تھے اور مہاراجہ بارہ سال کی عمر میں ۱۸۳۲ء میں مسند نشین ہوئے اس طرح ان کی پیدائش ۱۸۲۰ء کے قریب ہوئی ہو گی۔ استاذ اور شاگرد کی عمر میں کم از کم دس سال کا فرق بھی مان لیا جائے تو اس اندازے کے مطابق خادم کی ولادت ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ قرار پاتی ہے۔ اور غالب سے ملاقات کے وقت (۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء) خادم ۵۳ سال کے رہے ہوں گے۔ دیوان کی طباعت جمادی الاول ۱۳۰۲ھ (مارچ ۱۸۸۵ء) میں ہوئی، جبکہ صاحب دیوان کی عمر ۷۴ سال کے قریب تھی۔ اہتمام طباعت تک ان کی حیات کے ثبوت میں خاتمہ طبع کے یہ الفاظ ملتے ہیں: دیوان؛ جناب منشی محمدی صاحب خوشنویس تخلص خادم بردوانی دام فیضہ استاد جناب مہاراجہ مہتاب چند بہادر، والی بردوان، بسعی فراوان منشی سید عبدالرحیم ابد نعت گو منتظم مطبع باہتمام عمر محمد تا خدا غفر اللہ ذنوبہ، در مطبع قادریہ واقع کلکتہ نیبو تلہ گلی نمبر ۱۴ طبع شد (ص ۲۸۸)

(۳) بردوان میں خادم کی سکونت شاید محلہ گھوڑے شہید میں تھی۔ اس لیے کہ نجم الحق نے

مطبوعہ دیوان کے آخر میں اپنا پتہ یوں لکھا ہے: مشتہر نجم الحق ساکن بردوان محلہ گوراشہید۔ اب یہ محلہ گھوڑا شہید کہلاتا ہے۔ لیکن مقامی لوگوں سے نجم الحق، یا اس کے خاندان والوں کی بابت کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔

(۴) انیسویں صدی کا ماحول جس میں غالب گذرے ہیں اور خادم نے بھی اپنی زندگی کے بہار آخریں مرحلے طے کئے، اس میں نوابوں، مہاراجاؤں اور تعلقہ داروں کی حاشیہ نشینی و مدح سرائی وغیرہ شعراء کا معمول رہا ہے۔ خادم نے بھی مدحیہ قصیدے لکھے اور اپنی قابلیت کے جوہر دکھا کر ممدوحین کا تقرب حاصل کیا۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ مہاراجہ بردوان کی مدح میں ہمیں کوئی قصیدہ ایس مطبوعہ دیوان میں نہیں ملتا صرف ایک قطعہ اس سے مستثنیٰ ہے جو سفر دہلی سے مہاراجہ کی مراجعت کے موقع پر لکھا گیا ہے:۔

للہ الحمد کہ امروز ز شہر دہلی	خوش بکاشانہ مہاراج بہادر آمد
سال تاریخ چو جستیم ز طبع خادم	گفت ما را کہ ہمین است بس از روے عدد
عدد چار تو شش مرتبہ بنویس و بگیر	سہ ازاں در مایۂ دو دو بعشر یک بہ احد
ہمہ را از رہ ترتیب در آور بشمار	صاف تاریخ ز ہجری ست عیاں در ابجد

مہاراجہ کی تعریف میں کسی قصیدہ کا درج نہ ہونا ایسی بات نہیں جو اہمیت سے خالی ہو۔ جبکہ شہزادہ بشیر الدین (رفیق)، جان عالم واجد علی شاہ سابق فرماں روائے اودھ، سلطان حسین امیر سندھ، سلطان فخر الدین وغیرہ کی مدحت سرائی میں خادم کے طویل قصیدے ملتے ہیں ایک قصیدہ تہنیت نبیرۂ خواجہ عبد الغنی نواب ڈھاکہ کی ولادت کے موقع پہ لکھا گیا ہے۔ سطور بالا میں گذر چکا ہے کہ خادم نے ایک قصیدہ مہاراجہ پٹیالہ نریندر سنگھ کی تعریف میں کہا تھا جس پر تین ہزار کی رقم ملی تھی نیز مہاراجہ مہندر سنگھ کی کتخدائی کے جشن میں انھوں نے خالی ہاتھ شرکت نہیں کی ہوگی لیکن مطبوعہ دیوان میں ان میں سے ایک قصیدہ بھی شامل نہیں ہے۔ لہٰذا ہم مطبوعہ دیوان کو خادم کے کلام کا کامل مجموعہ قرار نہیں دے سکتے۔ یہ قصائد بظاہر شاعر کی زندگی ہی میں تلف ہو گئے

یا ان کی نقلیں محفوظ نہیں رہ سکیں۔

خادم کے ممدوحین میں مولوی سید شرف الدین احمد شرافت الدولہ، امام باڑہ محسنیہ ہوگلی کے متولی ہفتم شامل ہیں دیوان میں ان کے نام بھی کوئی قطعہ درج نہیں ملتا جبکہ دردآگین خیال اور طبقات محسنیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء میں جب شرافت الدولہ کا تقرر منصب تولیت پر ہوا تو قطعات تہنیت پیش کرنے والے شعراء میں خادم بردوانی بھی تھے۔ قطعہ ذیل اسی موقع کی یادگار ہے:-

ہوائے آں حریم جنت آسا می کشد مارا | زباد صبح میخواہیم افزوں تیزی پارا
خدایا آں جمالے راکہ در دل آرزو دارم | مرا بنما کہ بکشایم برآں چشم تمنا را
چہ خلق او ست بے پایاں چہ لطف او ست بیش از حد | در آید و بر سر تحریر و تقریرش کرا یارا
بہر دفتر کہ بنویسم ہمانا وصف خلق او | برآید از سر ہر حرف بوئے عنبر سارا
کشد آزاد طبعاں را ز لطف دیگراں خود | کند یکسر اسیر دام خلق خویش دلہا را
کنایت تا بکے باشد صریحا نام او گویم | بر آں باشد کہ بکشایم من اکنوں ایں معما را
چہ نام است ایکہ سید شرف الدین احمد ش خوانند | کہ در ہوگلی ہم (او) بنواخت ہر اعلیٰ و ادنیٰ را
خدا بر مسند تولیتش دارا د با ثروت | کہ او در انتظام آورد جائے پاک شہدا را

خوش آں روزے کہ خادم خویش را بنیم بہ بزم او
بر آرم از لب خود سر بسر حرف تمنا را (طبقات محسنیہ ص ۵۴–۵۵)

مطلع اس قطعہ کا مقدم الذکر غزل کا مطلع ہے جو مرزا کو بردوان پہنچ کر خادم نے بھیجی تھی۔ دیوان خادم کے تقریظ نگاروں میں شرافت الدولہ نواب مولوی شرف الدین احمد بھی ملتے ہیں (دیوان خادم ۲۷۵–۲۷۹) اس تقریظ کی نقل دردآگین خیال کے آخری صفحات میں بھی ثبت ہے (دردآگین خیال: ص ۴۷–۴۸، نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۹ء)

ہ حالات کے لیے دیکھئے صحیفہ نادین ج ۲ ص ۴۰۳ اڈیراگ نذر حق بھاگل، نول کشور ۱۹۰۲ء

(۵) خادم کی اولاد میں ہمیں صرف نجم الحق کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہیں ۔ ان کی یادگار اس دیوان کا مقدمہ ہے جس کو ہم ان کے ذوق ادب و فارسی دانی کا مختصر نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ شعر و شاعری سے لگاؤ اور علی الخصوص فارسی میں طبع آزمائی کا شوق گھر کے ماحول کا نتیجہ تھا ذریعہ معاش یہ تھا کہ انجینیر ہوگلی کے دفتر میں کسی عہدے پر ملازم تھے شروع میں ان کا میلان شاعری کی طرف زیادہ مائل رہا لیکن بہت جلد سنبھل گیے اور باپ کی ہدایت پر مشق سخن میں دلچسپی لینا ترک کر دیا، دوستوں اور عزیزوں کے اصرار پر بطور تفنن کچھ کہہ لیتے تھے اور بس بہر حال انھوں نے کہیں اپنا تخلص نہیں لکھا ہے۔ لیکن ایک مثنوی دیوان خادم میں ملتی ہے جس کا عنوان ہے: (در نصیحت فرزند ارجمند متخلص بہ مضطر) میرا خیال ہے کہ یہ فرزند ارجمند جن کا تخلص مضطر تھا، خود نجم الحق ہیں یہ منظوم نصیحت سیدھی سادی زبان میں خاصہ کی چیز ہے اس میں ایک جگہ خادم نے شاعری سے باز رہنے کی ہدایت کی ہے ؎

کم کم بخیال شعر پرداز کز کار دگر نداردت باز

نجم الحق کی نظم نگاری کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ لیکن مقدمۂ دیوان کو انھوں نے ختم کرتے ہی قطعۂ تاریخ دیوان“ کے عنوان سے یہ دو شعر درج کیے ہیں :-

دیوان چہ خوش است بس زخادم گو در معانی اندران سفت

طبعم تاریخ او یکا یک بین بحر معانی است برگفت

بظاہر یہ قطعہ خود نجم الحق کا نظم کردہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد کے قطعات نظم نگاروں کے نام کے ساتھ ملتے ہیں۔

خاتمۂ مضمون میں قطعہ حمد، ایک غزل، اور متفرق ابیات کا انتخاب قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش ہے اس لیے کہ خادم کا دیوان مطبوع ہونے کے باوجود کمیاب اور نادر ہے:

قطعۂ حمد کی سادگی اور روانی قابل ستائش ہے:

اے بدرگاہ تو نیاز ہمہ ذات پاک تو کار ساز ہمہ

من چہ خود عرض حال خویش کنم — پیش تو ظاہر است راز ہمہ
از ہمہ بے نیاز آمدۂ — لیک باشد بہ تو نیاز ہمہ
شب و روز است در مطلبت — مہر و مہ وار ترک تاز ہمہ
آں کریمی کہ از عنایت تو — ہم غنا گشتہ است آز ہمہ
چہ گدا و چہ بادشہ یکسر — بس ز ذات تو فخر و ناز ہمہ
نیک و بد را کہ می کنم تفہیم — دادۂ ہم تو امتیاز ہمہ
کار ایں خادم شکستہ بیار
اے کہ ہستی تو کارساز ہمہ (دیوان خادم: ۲۰۹)

نعتیہ قصیدہ سے دیوان کا آغاز ہوتا ہے اس کا ایک شعر انتخاب ہے:

شہ سریر نبوت محمد عربی — کہ ذات او بجہان است ختم صنع اللہ

ایک غزل کاتب کی زمین میں ملتی ہے جو حسب ذیل ہے:

عکس روئے سرخ او آتش در آب انداختہ — نے غلط کردیم در آب آفتاب انداختہ
تا ز روئے آتشیں آں مہ نقاب انداختہ — خاک خجلت در دہان آفتاب انداختہ
آں دو زلف پر شکن کز ہر دو سو دارد گرہ — در دل سودائیم[1] صد پیچ و تاب انداختہ
چشم مخمور تو[2] امروز از نگاہ فتنہ ساز — عالمے ماہر طرف مست و خراب انداختہ
شب کہ بردارد ز روئے خویشتن آں نقاب — مہر از آں از شرم خود را در حجاب انداختہ
دل ز حسرت اندرون سینہ ام پنہاں گداخت — تا برخ آں شعلہ رو یارب نقاب انداختہ
چشم پر آبم مرا تا دیدہ[3] است از دست برق — آتش غیرت بجاں خود سحاب انداختہ
من کجا بینم دگر امنیتے در عمر خود — عشق خوباں در دل من اضطراب انداختہ
آتش عشق تو از روزیکہ در دل سر زدہ است — چشم اشک افشاں مرا در سیل آب انداختہ

[1] دیوان: "سودائی من" [2] دیوان "مخمور کہ تو" [3] "نادیدہ"

خالِ مشکیں نیست گر دیبت ابروئے نگر   کلکِ قدرت نقطہائے انتخاب انداختہ
بہ زمین آں غزلِ خادم کہ کاتب گفتہ است   طبعِ جولانم چہ خوش طرحِ جواب انداختہ (دیوان صلا)

غزلیات میں دار طلب ابیات کی کمی نہیں ہے، ذیل کے انتخاب سے اہلِ ذوق کو کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔

معلوم نیست آہ کہ امشب زتوبہ ام   در میکدہ چہ بر سرِ جام و سبو گذشت (ص۱۷۲)

بیا بداں قدِ بالائے او شدم تہِ خاک   سنر ذکہ سرو دمد جائے سبزہ از خاکم (ص۱۸۵)

شیشۂ مے بلحد بہر خدا بگذارید   کہ نبود است جز او ہیچ کسے دمسازم (ص۱۹۳)

مپرس بیکسی ما کہ وائے بعد از مرگ   کسے چراغ نیفروخت بر سرِ خاکم
توئی و کوثر و طوبیٰ و حور اے زاہد   من و قرابہ و ساقی و سایۂ تاکم (ص۱۸۵)

نیست شورِ عشق در شہرِ عدم گر از چہ رو   گل گریباں چاک از کتمِ عدم آید بروں
نیست جز شہرِ دلِ من عاقبت جائش دگر   ہر کجا از سینۂ ہر کس کہ غم آید بروں (ص۱۹۲)

شیشۂ مے بہ بغل جام بکف خندہ بلب   در چنیں حال ندانم ز کجا می آئی (ص۲۱۴)

نمی دانم بغفلت تا چہ جنگ آمد بمن زیں پس   پیامِ صلح بے موجب کہ اینک می دہی یاں کردی (ص۲۲۵)

شادم کہ گشت نامۂ اعمالِ من سیاہ   حرفی تواں نخواند بروز شمار ہیں (ص۱۳۶)

مکتوب سادہ پیش بتاں می کنم روان
از راز خود خبر بقلم ہم نمی کنم (ص۱۵۶)

جاں بلب خواہد رسید از بہر استقبال او
در دم آخر کہ از وے وعدۂ دیدار فت (ص۹۹)

یارب بحیرتم کہ زیادِ کدام کس
ہر شب گم است خواب ز چشم ستارہ ہا (ص۲۵۰)

حیرت زدۂ چو من کسے نیست
در بر ہر دو من در انتظارم (ص۱۶۸)

درمقامے کہ ترک سر باید
غفلتم بین کہ گل بدستار است (ص۹)

بقیہ صفحہ ۱۷۲

(۵) مرآۃ مداری: مکھن پور، ضلع قنوج میں مدفون بدیع الدین ملقب بہ قطب المدار اور عوام میں شاہ مدار کے نام سے مشہور بزرگ کی سوانح عمری کے بیان میں ہے۔ اس مختصر رسالے کی تصنیف مکھن پور میں سنہ ۱۶۵۵ء میں ہوئی تھی۔ یہ رسالہ ایمان محمودی نامی رسالے پر مبنی ہے جو شاہ مدار کے خلیفہ قاضی محمود کنتوری نے لکھا تھا جس میں اُن کے پیر و مرشد کے حالات منقول ہیں۔ اُس کا دوسرا ماخذ لطائف اشرفی ہے جس کے مصنف[1] شاہ مدار کے دوستوں میں تھے۔ اس رسالے کے قلمی نسخے ہندوستان کے کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ محمد عبدالرشید ظہیر الاسلام نے اُس کا اُردو ترجمہ ثواقب الانوار فی مناقب قطب المدار کے نام سے فرخ آباد سے ۱۹۰۰ء میں شائع کیا تھا۔

[1] عبدالرحمن چشتی نے اس مصنف کا نام نہیں بتلایا ہے۔